© rasailojaraid.com

درسِ نظامی

ہماری علمی امیدوں کا مرکز ومحور

مولانا سجاد الحجابی

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو اپنی تعلیمی درس گاہیں بہت اہتمام کے ساتھ قائم کیے ہوئے تھے، ان کے ہاں عام تعلیم کے لیے گروکل (۱) اور پاٹھ شالائیں (۲) مذہبی ادارے تھے جہاں ہندو دھرم اور فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی، ہندوؤں کے ہاں اگرچہ ان فنون کا مقصدِ اصلی فنِ تعمیر، علم نجوم اور ادب تھا لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد تعلیمی روایت، علم، تہذیب، تربیت اور سلیقہ مندی کی ایک توانا خیز لہر سے آشنا ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ پورا برصغیر مسلمانوں کی اس مذہبی تعلیم سے اس حد تک متاثر ہوا کہ جگہ جگہ اس کی مدح سرائی کی گئی، یہ اسلامی تعلیمات کے پُراثر اور ترقی یافتہ ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

ہندوستان مسلمانوں کی تدریس کا مرکز تھا، جن میں دینی علوم کے علاوہ دوسرے دنیوی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، اس زمانے میں تعلیم وتدریس کے لیے الگ عمارات کی کوئی قید نہ تھی، یہ کام مسجدوں کے علاوہ حجروں میں بلکہ بعض امراء کی حویلیوں اور صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں سرانجام دیا جاتا۔

سلطان ایبک کی جانب سے علماء کی سرپرستی ضرب المثل تھی، پھر ان کے بعد سلطان التمش (م: ۱۲۳۶ء) نے کئی مدارس قائم کیے، وہ خود علم نوازی کا شائق اور اہلِ علم کا زبردست قدر دان تھا، جب محمد معز الدین غوری (م: ۱۲۰۶ء) نے اجمیر فتح کیا تو وہاں پر دینی علوم کی درس گاہ قائم کی۔ محمد بن تغلق (م: ۱۳۵۱ء) کے دربار میں علماء کی کثیر تعداد تھی، فیروز شاہ تغلق (م: ۱۳۸۸ء) نے تیس (۳۰) اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کیے اور پہلے سے قائم مدارس کی مرمت اور روزمرہ اخراجات کے لیے خصوصی فنڈ مختص کیے۔ خلجی سلاطین کے زمانہ حکومت (۱۴۳۶ سے ۱۵۳۱ء) میں بھی تعلیم وتدریس سے مسلمانوں کی دلچسپی برقرار رہی، ان کی علم پروری کا سبھی مورخین نے اعتراف کیا ہے۔

تغلق دور بھی اسلامی تعلیم وتدریس اور مدارس کے قیام کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتا ہے، اسی طرح سلطان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکندرلودھی کا عہد (۱۴۸۹ء-۱۵۱۰ء) اسلامی تعلیم وتدریس کی سرپرستی کے ذیل میں بڑا قابل فخر زمانہ تھا بعد میں مغلیہ دور میں تو علمی ترقی کو چار چاند لگ گئے۔ مغل حکمران شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں دیارِ پورب علماء محققین کی آماجگاہ بن گئے تھے، بلکہ شاہ جہان بادشاہ تو بسا اوقات فخراً کہتا:

"پورب شیراز ما است" یعنی "دیارِ پورب کی علمی سرسبز وشادابی کی تشبیہ شیراز سے دیا کرتا۔"

سلطان اورنگزیب عالمگیر (م: فروری، ۱۷۰۷ء) بذات خود عالم دین تھے اس نے متعدد مدارس قائم کیے، وہ تعلیم و تدریس کے باب میں وسیع نقطۂ نظر رکھتے تھے، اپنے زمانے میں باقاعدہ طلباء کے لیے وظائف جاری کیے تھے، اس عظیم علم دوست حکمران نے لکھنؤ میں ایک ڈچ تاجر کی کوٹھی "فرنگی محل" خرید کر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور علامہ نظام الدین سہالوی (م: مئی، ۱۷۴۸ء) کو بلا کر استاذ مقرر کیا۔ (۳)

علامہ سہالویؒ نے اس زمانے میں ایک ٹھوس قسم کا نظام تعلیم رائج کیا، جو بعد میں درس نظامی کے نام سے مشہور ہوا اور بعض جزوی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی وہ مدارس دینیہ کے ماتھے کا جھومر ہے۔

تعلیم کے اس منہج کو اتنی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی کہ بعد میں ہر مدرسہ میں یہی درس نظامی پڑھایا جانے لگا، کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کی خوبی تھی اور وہ یہ کہ ہر علم سے بنیادی اور پختہ وتحقیقی متون وحواشی کو لیا گیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے اور بلادِ ہند پر انگریزوں کے یلغار سے قبل اور بعد میں (یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہوگا کہ) تمام مدارس میں درسِ نظامی رائج تھا، رامپور کی درس گاہ لیجئے یا خیر آباد، لکھنؤ لیجئے یا ریاستِ ٹونک، دلی کا ذکر کیجیے یا سندھ کا، تمام مشہور درس گاہوں میں درس نظامی رائج تھا اور دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد اسی طرح مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی یہی درس نظامی رائج تھا اور ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ درس نظامی میں ایسی بنیادی اور مضبوط کتابیں داخلِ نصاب کی گئی ہیں جو طالب علم کی بنیاد کو نہایت پختہ بنا کر زمانے کے ہر قسم کے فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا رہنے کی قوت فراہم کرتی ہیں، ان مشکل متون و عمیق کتابوں کے پڑھنے ہی کی برکت سے ماضی اور عصر قریب تک جہابذۂ علم پیدا ہوتے رہے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ علم کے چرچے مساجد سے لے کر بادشاہوں کے درباروں تک ہوتے تھے، علمی مباحثے ومناظرے، تحقیقات وتدقیقات غرض یہ کہ ایک ذوق وشوق بلکہ بعضوں کے لیے جنون تھا، اس بات کا اندازہ آپ اس واقعے سے لگا سکتے ہیں جس کو مؤرخ ہند وسندھ حضرت مولانا اطہر مبارکپوریؒ نے اپنے کتاب "دیار پورب میں علم وعلماء" میں علامہ محمود جونپوریؒ (۴) کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماء کی بادشاہوں کے ہاں کتنی قدردانی تھی، جیسا کہ ان کے تبحر علمی کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے، چنانچہ مولانا اطہر مبارک ایک عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"شاہی دربار میں ملا محمود جونپوری صاحبؒ کے مقابلے میں ایک ایرانی فاضل کی شکست"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صبح صادق کے حوالے سے تذکرۃ العلماء میں لکھا ہے کہ شاہ ایران کی طرف سے ایک ایلچی "ارکج" نامی شاہجہاں کے دربار میں آیا، وہ مادر زاد اندھا تھا، مگر اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اس کی چشم باطن کو زبردست بصیرت بخشی تھی، عقلی ونقلی علوم وفنون کے اہم وادق مسائل اس کو از بر تھے، اس نے ہندوستان کے علماء سے بحث ومناظرہ کی خواہش کی، چنانچہ اکبر آباد وغیرہ کے علماء بلائے گئے مگر مجلس مناظرہ میں "ارکج" کے مقابلے میں وہ ٹھہر نہ سکے، شاہ جہاں کو اس کے مقابلے میں اپنے علماء کی بے مائیگی پر بڑا تعجب ہوا، اس نے ارکانِ دولت سے کہا کہ ہماری قلمرو میں بڑے بڑے علماء وفضلاء موجود ہیں ان میں سے کسی ایسے عالم کو بلایا جائے جو "ارکج" سے مناظرہ کر سکے۔

وزیر سعد اللہ خان نے جو ملا محمود جونپوری کے سامنے زانوائے تلمذ طے کر چکا تھا اور ان کی ذکاوت وذہانت سے اچھی طرح واقف تھا۔ ناظم جونپور کے نام سے شاہی فرمان لکھا کہ علامہ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر شاہی فرمان پیش کر کے کسی طرح ان کو دار الخلافہ آنے پر راضی کریں، چنانچہ ملا صاحب بڑے کر وفر کے ساتھ دہلی روانہ ہوئے، جب دہلی کے قریب پہنچے تو وزیر سعد اللہ خان، آصف خان اور دوسرے ارکان دولت نے بڑھ کر استقبال کیا اور کمال تعظیم وتوقیر کے ساتھ ان کو شاہی دربار میں پہنچایا اور شاہجہاں کے حکم سے مناظرہ منعقد ہوا، جس میں "اِثباتِ ہیولیٰ" کی بحث چھڑ گئی۔

"ارکج" نے اثبات ہیولیٰ پر باری باری وہ تمام دلائل پیش کئے جو اسے یاد تھے، ملا صاحب نے اس کی ہر دلیل کا ایسا کافی وشافی جواب دیا کہ تمام حاضرین ان کی تعریف وتحسین کرنے لگے۔ آخر میں "ارکج" نے ملا صاحب سے کہا: اچھا اگر آپ کے پاس اثبات ہیولیٰ پر کوئی دلیل ہو تو بیان کیجئے، ملا صاحب نے اثبات ہیولیٰ پر اپنا ایک رسالہ "الدّوحة الميادة فى حديقة الصورة والمادّة" پیش کیا، اس کے علاوہ اثبات ہیولیٰ پر چند خاص دلائل بیان کیے ان کو سن کر ارکج نے بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر ملا صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی کمر کا خنجر ان کی کمر میں باندھ دیا اور ان الفاظ میں ملا صاحب کے علم وفضل کا بھری مجلس میں اعتراف کیا:

"جوانے بایں فہم وفراست از ولایت ایران تا ہندوستان کمتر یافتہ"

ترجمہ: "اس فہم وفراست کے جوان عالم ایران سے لے کر ہندوستان تک بہت کم نظر آئے ہیں"۔

شاہ جہاں نے ملا صاحب کی کامیابی پر زر وجواہر سے بھرے ہوئے طبق ان کی خدمت میں پیش کئے۔

کچھ دنوں کے بعد جب ارکج ایران واپس جانے لگا تو اس نے درخواست کی کہ ملا صاحب کی تصنیف بھی شاہی تحائف میں شامل کی جائیں اور شاہ ایران کی خدمت میں یہ قیمتی تحفہ بھی بھیجا جائے، ملا صاحب خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی بڑے غیور وحساس تھے اور علماء وفضلاء کی غیرت وحمیت سے واقف تھے، انہوں نے شاہ جہاں سے کہا کہ یہ عالم حد درجہ غیور ہے اور معقولات میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا اس مناظرہ میں ناکامیابی و شکست سے غالباً زندہ نہ رہ سکے گا، ملا صاحب کا یہ اندازہ صحیح نکلا اور اُ کھڑ دار الخلافہ اکبر آباد سے ایران جاتے ہوئے تیسری منزل پر فوت ہو گیا۔(۵)

قارئین! آپ نے اس داستانِ دلپذیر کو ملاحظہ کیا کہ یہ انہی فنون کی برکت تھی جس نے ہندوستان میں علم وعلماء کا جرچا و دبدبہ قائم رکھا، چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے نصابِ تعلیم ہی سے گہرے اور باستعداد فضلاء پیدا ہوتے چلے آئے ہیں، جو دقیق وعمیق مضامین پر مشتمل ہو۔امام شافعیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

من تعلم علما فلْيُدَقِّقْ فيه، لئلا يضيعَ دقيقُ العلم (٦)

یعنی "جو علم سیکھنے لگے تو اس ڈر سے گہرے و دقیق علم کو سیکھے کہ کہیں یہ علم ضائع نہ ہو جائے"۔

غرض یہ درس نظامی ہی ایک ایسا کامل نصاب ہے جس کو پڑھ کر اس نے بڑے بڑے سپوت اسلام جنم دیئے۔اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کے سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے جس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں:

"حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی اپنی مصنفہ کتاب "تحذیر الناس" کی اشاعت کے بعد جب کہ عام طور پر علمائے بریلی حجۃ الاسلام کے خلاف زہر اگل رہے تھے رام پور پہنچے، تو باوجود اخفا کے آپ کی آمد کی شہرت ہو گئی۔شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کے شاگرد حجۃ الاسلام کے استاد بھائی مولوی ارشاد حسین اور ایک منطقی مشہور عالم مولوی عبدالعلی ملنے آئے۔مولوی ارشاد حسین صاحب نے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے شاگردوں اور دیگر علماء سے کہا:

"اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو، تو اس شخص کو مت چھیڑنا"۔

ادھر خود حجۃ الاسلام بھی بعض حضرات سے ملنے کے لیے شہر میں نکلے۔مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو جو حجۃ الاسلام کے شاگرد تھے اور آپ کے ساتھ تھے، تحذیر الناس کے مسائل میں چھیڑا۔مولانا احمد حسن صاحب نے ہلکی آواز میں انہیں جواب دیا، حضرت حجۃ الاسلام نے سن لیا اور فرمایا اپنے استاد کو بلالو ان سے بات ہو جائے گی۔پھر اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور کر لی۔

منشی حمید الدین صاحب سنبھلی کہتے ہیں:

"اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرمالی شب کو مجلس وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، شہر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُمراء، رُوساء علماء، عمائد شہر، طلبا غرضیکہ ہر طبقے کے لوگ بھر گئے تھے اور لوگوں کا ایک میلہ سا لگ گیا حضرت مولانا نے تقریر فرمائی۔

بس اس دن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آ گیا تھا اس آیت کا وعظ فرمایا:

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾ (۷) اور اس آیت کے تحت فلسفہ کے ان تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا، رد فرمایا اور اسی آیت سے "جزء لایتجزی" کا اثبات، قیامت کا ثبوت، حدوث عالم وغیرہ امور مہمہ ثابت فرمائے...... مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی نے (جو مولانا محمد قاسم صاحب کے رشتے کے تایا بھی تھے) اقلیدس (۸) کا ایک ترجمہ کیا تھا جس پر مولوی عبدالحق خیر آبادی (مشہور منطقی مولانا فضل حق خیر آبادی کے بیٹے) نے اس ترجمے پر رکیک الفاظ میں اعتراضات کئے تھے، ان سب کا جواب بھی اس تقریر میں ارشاد فرمایا اور نہایت جوش میں فرمایا کہ "یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آ جائیں مگر ہرگز یہ توقع لے کر نہ آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے، میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے"۔ (۹)

یہ واقعہ صرف اس لیے نقل کیا گیا کہ اندازہ ہو سکے کہ درس نظامی نے کن کن عباقرہ و جبال العلم کو میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ خیر آبادی مناطقہ کتنے بڑے علم کے مالک تھے ان کے درمیان علم کا لوہا منوانا کارے دارد۔

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ "احسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم" میں اپنی بیش قیمت رائے لکھتے ہیں، جس میں ہم جیسے طالب علموں کے لیے مقام عبرت ہے، وہ فرماتے ہیں:

"تعلیم دین کے نصاب میں امور ذیل کا ہونا ضروری ہیں:

۱۔ نصاب میں ایسی کتابیں داخل کی جائیں کہ ان کے مصنفین کا علم اور تقویٰ امت میں مسلم ہو، تاکہ ان کی برکات بھی تعلیم میں معین اور مددگار ہو۔ (۱۰)

۲۔ کتابیں مختصراً اور جامع ہوں، جس سے ٹھوس اور مضبوط استعداد پیدا ہو جائے۔

۳۔ ایسی سہل اور سلیس کتابیں نصاب تعلیم میں نہ رکھی جائیں کہ جن کو طلبہ خود مطالعہ سے حل کر سکیں ایسی کتابوں سے نہ تو استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ طلبہ ایسے اسباق میں حاضری کا التزام کرتے ہیں، طلبہ اپنے آپ کو اساتذہ سے مستغنی سمجھتے ہیں جس سے ایک طرف تو ان کی غیر حاضری سے استاد کی دل شکنی ہوتی ہے تو دوسری طرف مدرسے کا وقت ضائع اور بے کار جاتا ہے۔

۴۔ جدید فلسفہ اور سائنس جغرافیہ اور تاریخ بھی اگر داخل نصاب کر لی جائے تو شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی تعلیم کے تابع ہو۔ دوم یہ کہ اس کتاب کی زبان مغضوب علیھم اور ضالین کی زبان نہ ہو یعنی یہود ونصاریٰ کی زبان نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس جدید فلسفے کے استاد کا رنگ اسلامی ہو "صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَة" اس لیے قرآن وحدیث کافروں کے تشبہ کی ممانعت سے بھرا پڑا ہے۔" (۱۱)

حضرت کاندھلویؒ کی اس آخری بات سے یہی بات معلوم ہو رہا ہے کہ درس نظامی میں اگر نئی اور مفید کتابیں داخل صاب کی جائیں، تو اس کا فائدہ ہے، بشرطیکہ ان کتابوں میں وہ اصول ملحوظ رکھے گئے ہوں جن کا ذکر انہوں نے اپنے کلام میں کیا کہ درس نظامی کا پڑھنا پڑھانا ہمارے لیے خوش قسمتی ہے اگر ہم اس نعمت عظیمہ کا شکر ادا نہ کریں تو بعید نہیں کہ یہ نعمت ہم سے چھین لیا جائے۔ درس نظامی اور اس کے اندر بعض اہم کتابوں کے پڑھانے کے حوالے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کے سفرنامہ عراق میں ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ لگا لیجئے، جس کو حضرت نے جہانِ دیدہ میں ذکر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

"مدرسہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (عراق، بغداد) میں ایک مقدس بزرگ شیخ محمد عبدالکریم المدرس (حفظہ اللہ) کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ وہ حضرت شیخ امجد الزھاوی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے ہیں اور انہوں نے عصری جامعات کے "ڈگری زدہ" طریقے کے بجائے قدیم طریقے پر ماہر اساتذہ وشیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ "ماجستیر" اور "دکتوراہ" کے اس دور میں ایسے علماء کی قدر وقیمت پہچاننے والے بہت کم ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی جو خوشبو اور شریعت وسنت کی جو مہک ان بوریہ نشینوں کے پاس محسوس ہوتی ہے، وہ عموماً یونیورسٹیوں کی عالیشان عمارتوں اور ان کے پُرتکلف ماحول میں نظر نہیں آتی۔ اس لیے جہاں کہیں جانا ہوتا ہے، ایسے علماء کی تلاش رہتی ہے۔

شیخ موصوف مدرسے کے پہلو میں ایک سادہ سے فلیٹ میں مقیم ہیں۔ قدیم عربی طرز کی نشست، آس پاس کتابوں کے ڈھیر، دروازہ ہر آنے والے کے لیے کھلا ہوا، چہرہ ہمہ وقت گلاب کی طرح متبسم، باتوں میں بلا کی معصومیت، برجستگی اور بے تکلفی، تصنع اور دکھاوے سے کوسوں دور، پہلی ہی نظر میں زیارت سے دل باغ باغ ہو گیا۔

ڈاکٹر محمد شریف صاحب (مستشار وزارۃ الأوقاف) نے شیخ کو پہلے سے فون پر ہمارے آنے کی اطلاع کر دی تھی، اور شیخ یہ سن کر بہت مسرور تھے کہ ناچیز کو انہی پرانے طرز کے دینی مدارس اور ان کے علماء سے خادمانہ نسبت حاصل ہے، چنانچہ ابتدائی سلام وکلام کے بعد ان کا پہلا سوال ہمارے مدارس کے نصاب ونظام سے متعلق تھا اور جب میں نے اپنی درسی کتب میں سے کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، نور الانوار اور توضیح جیسی کتب کا نام لیا، تو وہ تقریباً چیخ پڑے اور وصیت فرمائی کہ اس قسم کی ٹھوس استعداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کرنے والے نظام تعلیم کو آپ کبھی نہ چھوڑیے، کیونکہ ہم اس نظام کو چھوڑنے کے نتائجِ بد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔" (۱۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر نصاب ٹھوس اور بنیادی مضامین پر مشتمل ہو اور اس کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق ادا کیا جائے، تو اس کے ثمرات بہتر سے بہتر نکل آتے ہیں لیکن افسوس! اپنی نصابی کتابوں کا کما حقہ حل کرنا تو درکنار، طلبہ کا حال یہ ہے کہ کتاب کے حل کے لیے سراسر اردو شروح سے امداد لیتے ہیں، بلکہ پورا کا پورا انحصار بجائے اپنے محنت و جستجو کے اردو شروحات پر ہوتا ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ "العلم لا یطلب براحۃ الجسد" حالانکہ حضرات سلف صالحین کی علمی لگن کی کیفیت یہ تھی کہ علم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے سینوں میں محفوظ کیا کرتے تھے، حفظ حدیث کے حوالے سے دیکھیے تو صحیح احادیث تو درکنار حفاظت دین کی غرض سے موضوع اور من گھڑت احادیث بھی از بر کی جاتی تھیں۔

امام خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب "الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے: (۱۳)

"ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل صنعاء (یمن کے ایک شہر) میں امام یحی بن معین سے جا ملے، وہ ایک صحیفہ حدیثیہ تحریر کر رہے تھے جس میں تمام احادیث "عن معمر، عن أبان، عن انس" کی سند سے مروی تھیں۔ (واضح رہے کہ اس سند سے احادیث روایت کرنا موضوع اور جھوٹ ہے) مکالمہ کے دوران جب کوئی شخص آ جاتا تو امام یحی بن معین اس صحیفے کو چھپا دیتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے برجستہ فرمایا:

"یقیناً تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ صحیفہ من گھڑت ہے۔ پھر بھی اسے لکھ کر از بر کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے احمد، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! میں اس صحیفے کو لکھ یاد کرنا چاہتا ہو، تا کہ کل مجھے اس کے موضوع ہونے کا پتہ چل سکے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی شاطر کہیں "أبان" راوی کی جگہ "ثابت" کو نہ رکھے اور پھر "عن معمر عن ثابت أنس" کی سند سے نقل کر کے پھرتا رہے اور موضوع احادیث کو روایت کرتا جائے۔ میرے استحضار کی وجہ سے میں اس کی غلطی پکڑ سکوں گا"۔

امام خطیب بغدادی اپنی کتاب "الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع" (۱۴) میں تھوڑا آگے جا کر امام یحیٰی بن معین کے ایک ہم زلف وہم زمانہ محدث امام اسحاق بن راہویہ کا اسی طرح ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، چنانچہ امام اسحاق نے فرمایا:

"مجھے ایک جگہ معلوم ہے، جہاں ایک لاکھ احادیث موجود ہیں جس میں ستر ہزار احادیث میرے سینے میں محفوظ ہیں اور ان میں سے چار ہزار من گھڑت احادیث کا بھی میں حافظ ہوں۔ کسی نے امام اسحاق سے عرض کیا کہ من گھڑت احادیث کے حفظ کرنے کا کیا مقصد؟!

تو امام اسحاق نے فرمایا کہ صحیح احادیث کے درمیان ان چار ہزار احادیث میں کوئی حدیث ذکر کی جائے تو میں اس کو ایسے تحقیق کے ساتھ نکالتا ہو جیسا کہ بالوں میں جوئیں تلاش کی جاتی ہیں"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قارئین کرام! اندازہ لگائیے کہ ہمارے اسلاف نے اسلام کی حفاظت کے لیے من گھڑت احادیث بھی درخور اعتناء نہ سمجھیں تا کہ کوئی ان احادیث موضوعہ کے ذریعے اسلام پر وار نہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام نے فلسفہ یونانی کو پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی تا کہ فلاسفہ کے باطل عقائد پر مضبوط وار کر سکے اور ترکی بہ ترکی جواب دے سکیں، بلکہ جو فوائد ان فلاسفہ کے ہاں موجود ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ علوم فلسفیہ کے حوالے سے بہت مفید بات کہہ گئے ہیں وہ لکھتے ہیں: (۱۵)

مما یجب أن یعلم أن علوم الفلسفة من العِلمیة والعملیة نَیِّف وسبعون علما، جمعناها فی الیاقوت... إذا جردّتَ علوم الفلاسفة عنز لاّتهم، کان فیما بقی فوائد عظیمة لم یستنکف المحققون من علماء السنة عن استنباطها؛ فخذ ما صفا و دع ما کدر، ومَنْ أعرض عن الفلسفة رأسا لم یستطع التکلم فی دقائق العلوم، اللهم إلّا أصحاب القوة القدسیة وقلیل ماهم فعلیک بالاعتدال والانصاف.

یعنی ”یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یونانی فلسفہ کے علمی و عملی علوم کے ستر اقسام ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب الیاقوت میں جمع کیا ہے۔“ (پھر ذرا آگے علامہ لکھتے ہیں:)

”اور اگر ان علوم کو فلاسفہ کے زلات و گمراہیوں سے صاف کیا جائے تو یہ علوم فوائد عظیمہ پر مشتمل ہیں، چنانچہ علماء اہل السنۃ نے ان علوم کے پڑھنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، بلکہ خذ ما صفا و دع ما کدر پر عمل کرتے ہوئے اسے سیکھنا چاہئے اور جس شخص نے ان علوم کو نہیں سیکھا تو وہ دقائق علوم میں بالکل بحث ہی نہیں کر سکتا، الا یہ کہ وہ اولیاء کاملین و ارباب صوفیا کے گروہ سے ہو اور یہ طبقہ بہت ہی قلیل ہے پس انصاف و اعتدال کو لازم رکھئے“۔

علامہ عبدالعزیز فرہاری اپنے وقت کے مایہ ناز محدث، فقیہ، متکلم، مفسر، جامع العلوم، متبحر اور نابغۂ روزگار تھے۔ آپ ان کی باتوں سے خوب جان سکتے ہیں کہ علوم و فنون میں مہارت کتنی ضروری ہے۔

ایک اور امر ذکر کرتا چلوں کہ اکابر کے ہاں متون کے یاد کرنے کا بہت اہتمام ہوتا تھا، چنانچہ یہ کہاوت مشہور ہے: ”مَنْ حَفِظَ الْمُتُونَ نَالَ“ فنون و علوم کے متون منظوم ہو یا منثور اکابر اس کو یاد کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نام نامی سے کون ناواقف ہوگا، ان کے متعلق ہمارے شیخ محدث، محمد عوامہ حفظہ اللہ نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ حضرت کشمیری کو صرف منظوم متون کے تقریبا پچیس ہزار اشعار مستحضر تھے اور جو نثر والے متون ہیں وہ ان سے الگ ہیں۔ (۱۶)

آج کل طلبہ میں کتابوں کے حفظ کرنے کا رجحان تو تقریبا معدوم ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ مطالعہ و تکرار کا رجحان بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ارباب حل و عقد کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ آئندہ دور میں صرف کمپیوٹری نسل ہی ہوگی جو کمپیوٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بٹن کو دبا کر حوالہ نکال سکے گی اور خود کتاب سے لگاؤ، محبت، کتاب کا تصفح و مطالعہ ایک عنقاء بن جائے گا اور کچھ یہی حال موبائل کے استعمال بے جا کا ہے، جس نے ہمارے طلبہ کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ہمیں الحمدللہ اس بات پر فخر ہے کہ پاکستان میں "درس نظامی" کی بقاء وفاق المدارس ہی سے وابستہ ہے کیوں کہ وفاق المدارس اس نظام تعلیم کا محافظ ونگہبان ہے۔ وفاق المدارس العربیہ ہمارے ہاں مستند وباعتماد اور قابل فخر اکابر کی زیر سرپرستی ایک مثالی ادارہ ہے، اس کی باگ دوڑ نامور علمی وروحانی شخصیات کے مبارک ہاتھوں میں رہی ہے۔ آج بھی عالم اسلام کے مایہ ناز فرزند، استاذ المحدثین، یادگار اسلاف، پیکر علم وعمل، سراپا اخلاص، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ جیسی مبارک ونامور ہستی اس ادارے کے سرپرست ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ وفاق المدارس سے ہمارے ہزاروں دینی مدارس وابستہ ہیں جن سے ہر سال لاکھوں تشنگانِ علوم دینیہ استفادہ کرتے ہیں۔ دینی علوم وفنون کے فروغ کے لئے "وفاق المدارس" کی گرانقدر خدمات ہمارے لیے سرمایۂ فخر ہیں۔

حوالہ جات

(۱) گُرو کُل: (گ اور ک کے پیش کے ساتھ) مرشد یا استاد کے رہنے کا وہ مقام جہاں وہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو ساتھ رکھ کر تعلیم دیتا ہے۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر، ۱۶/ ۱۹) گرو کل کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے "احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن" از مولانا مناظر احسن گیلانی، ناشر مکتبہ رشیدیہ، کراچی۔

(۲) پاٹھ شالا: مدرسہ، دار المطالعہ، فیروز اللغات، مادہ: پ ٹ ھ، ص ۲۶۲۔

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: دینی مدارس میں تعلیم از جامع: سلیم منصور خالد، ص ۹۲۔ ناشر: عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد۔

(۴) علامہ محقق مدقق امام کبیر محمود جونپوری (جیم اور واو کے زبر اور نون کے سکون کے ساتھ) اپنے دور کے فاضل یگانہ شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، ان کی ولادت: رمضان، ۱۰۱۵ھ میں اور وفات: ربیع الاول، ۱۰۶۲ھ میں ہوئی یعنی کل عمر ۴۷ سال پائی۔ منطق، ادب عربی، حکمت وفلسفہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کی مشہور کتابوں میں "الشمس البازغۃ" اب بھی درس نظامی کا حصہ ہے۔ ادب وبلاغت میں "الفرائد فی شرح الفوائد" فلسفہ میں الدوحۃ المیادۃ فی حدیقۃ الصورۃ والمادۃ، رسالہ فی وحدۃ الوجود، رسالہ فی الکلی والجزئی، رسالہ ارتفاع النقیضین، رسالہ تحقیق قضاء وقدر اور رسالہ اقسام نسواں تصنیف کیے۔ تفصیلی حالات کے لیے "دیار پورب میں علم اور علماء" (ص ۳۰۵ سے ۳۸۵ تک)، ناشر: البلاغ، پبلی کیشنز نئی دہلی، بھارت۔

(۵) دیکھیے مورخ ہند وسندھ مولانا اطہر مبارک پوری کی "دیار پورب میں علم وعلماء" (ص ۳۳۰-۳۳۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶) دیکھئے شیخ عوامہ کی کتاب "معالم ارشادیہ لصناعۃ طالب العلم" صفحہ ۳۱۸، ناشر: دار المنہاج، جدّۃ۔

(۷) سورۃ الواقعۃ: ۱۔

(۸) إقْلِیدِس (EUCLIDE) (ہمزہ ودال کے زیر کے ساتھ) یا اُقْلِیدِس (ہمزہ کے پیش اور واو کے ساتھ) علم الہندسہ کی مشہور درسی کتاب، دراصل إقْلِیدِس ایک شخص کا نام ہے جو ۳۰۶ اور ۲۸۳ قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں فوت ہوئے۔ انہوں نے فن ہندسہ میں (الأصول) کے نام سے کتاب لکھی۔ جو بعد میں إقْلِیدِس سے مشہور ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: کتاب "نشوء اللغۃ العربیہ ونموھا واکتھالھا" ص: ۴۳، ز مشہور مستشرق: أب أنستاس ماری الکرْملی، ناشر: مکتبۃ الثقافۃ، قاہرہ، مصر۔

(۹) دیکھئے مقدمہ: قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم: ۲۵، از مولانا انوار الحسن شیر کوٹی، ناشر: ناشران قرآن مجید، لاہور۔ یہ کتاب حضرت امام قاسم نانوتوی کے قیمتی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

(۱۰) اکابر نے عملاً بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ صاحب ہدایہ، علامہ مرغینانی کے حوالے سے العنایۃ شرح الہدایۃ، تالیف: امام اکمل الدین بابرتی، کے مقدمہ (۱/ ۳) ، ناشر: دار الکتب العلمیہ) میں لکھا ہے کہ امام مرغینانی نے ہدایہ کو تیرہ سال کے طویل عرصے میں لکھا۔ ان تیرہ سالوں میں صاحب ہدایہ مسلسل روزہ سے ہوتے تھے اور اخفاء اتنا کرتے کہ جب ان کے پاس کھانا آجاتا، تو خادم کو کھانا رکھنے کے لیے فرمادیتے، جب وہ چلا جاتا تو کوئی طالب علم یا کسی اور کو بلا کر وہ کھانا کھلا دیتے۔ کچھ یہی حال یا اس سے بڑھ کر امام بخاری رحمہ اللہ اور کئی دیگر حضرات کا بھی تھا۔ غرض ایسے واقعات کے لیے ایک دفتر چاہئے، البتہ اس موضوع پر طلبہ ساتھیوں کو استفادہ کے لیے تین کتابوں کو بتلاتا ہوں، جن کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (۱) صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل، تالیف: الشیخ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمہ اللہ۔ (۲) ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، (۳) معالم ارشادیہ لصناعۃ طالب العلم، آخر الذکر دو کتابیں محدث عظیم شیخ عوامہ کے شاندار قلم سے ہیں۔

(۱۱) دیکھئے أحسن التفہیم لمسئلۃ التعلیم: ص ۱۵، ناشر: دار النعیم۔

(۱۲) دیکھئے جہانِ دیدہ، (بیس ملکوں کا سفر نامہ) از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ، ص ۲۲، ناشر: مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔

(۱۳) دیکھئے الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، ۲/ ۹۲، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض

(۱۴) دیکھئے الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، ۲/ ۲۵۴۔

(۱۵) دیکھئے نبراس شرح شرح العقائد (ص ۳۲۔ ۳۳)۔ مکتبہ حقانیہ، پشاور۔

(۱۶) دیکھئے معالم ارشادیہ لصناعۃ طالب العلم (ص: ۲۹۸)

☆☆☆

© rasailojaraid.com